Fikr-o-Nasar (Islamabad) 7:6 (1969)

اسلام میں اللہ و رسولؐ کی اطاعت

ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی

اسلام کی اصل بنیادی اقدار کیا ہیں ؟ اور ان کو موجودہ دور میں کیونکر عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے ؟ آج اکثر و بیشتر یہ سوالات کئے جاتے ہیں، ذیل میں ان دونوں سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام جس کے معنی ہیں مشیّتِ خداوندی کے آگے سر جھکانا، تاکہ امن و سعادت اور فلاحِ دارین حاصل ہوں، صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ زندگی کا ایک دستور العمل بھی ہے جس کی تبلیغ آج سے تقریباً ۱۴ سو برس پیشتر ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی، اور اپنے وقت میں اس دستور العمل کے مطابق عمل کرکے لوگوں کی تعلیم و تربیت کی جو اقوامِ عالم کے لئے معلم و رہنما ثابت ہوئے۔

کسی شئے کی قدر و قیمت اس کی غرض و غایت کے حصول میں مضمر ہوتی ہے، اس لحاظ سے اسلام کی اصلی اور بنیادی قدر سارے جہاں میں امن قائم کرنا اور دنیا و آخرت کی سعادت و فلاح کا حصول قرار دی جا سکتی ہے، امن و فلاح و سعادتِ ابدی کے حصول کے لئے اسلام نے چند صاف اصول اور فرائض کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے، جن میں سب سے اہم اور بنیادی اصول توحید ہے۔ اس نظریۂ توحید کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ افرادِ انسانی ایک رشتے میں منسلک ہو جائیں، اور بنی نوعِ انسان ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جائیں کیونکہ اللہ جس طرح گورے کا معبود ہے اسی طرح کالے کا معبود ہے، اور جس طرح مشرق کا خدا ہے اسی طرح مغرب کا خدا ہے، ایک اور صرف ایک خدا کے آگے سر جھکانے کے لئے اللہ کے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینی بھی ہم پر فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتقاد رکھنے کا واحد ذریعہ رسولؐ کی وساطت سے اللہ کے احکام کو بجالانا ہے، قرآن پاک برابر "آمنوا" کے ساتھ "وعملوا الصّٰلحٰت" کا اعادہ کرتا ہے، اور ایمان کے ساتھ عمل کا ذکر کرتا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان کا حصول بلا عمل ممکن ہے۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

لیکن اس کے اظہار کے لئے عمل ضروری ہے اسی لئے اسلام میں عمل داخل ہے، کہ ایمان اور عمل دونوں کے مجموعہ کو اسلام کہتے ہیں۔ عمل کا بہترین بلکہ واحد طریقہ فرائضِ خمسہ کی ادائیگی ہے۔ یعنی صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج اور جہاد کو پیغمبرِ اسلامؐ، صحابہ کرام اور سلف صالحین کے بتائے ہوئے طریقوں سے ادا کرنا۔

آج ہم انہی فرائضِ خمسہ سے غافل ہیں، اگر ان سے غفلت نہ بھی برتتے ہیں تو محض رسمی طور پر ان فرائض کو انجام دے لیتے ہیں، اور ان کی بجاآوری میں اللہ کی جانب دھیان نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے صدقات اور نوافل اور ساری دوسری کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: "فویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون۔ ویل وہلاکی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں۔

آج یہ حال ہے کہ لوگ نماز و روزے میں وقت صرف کرتے ہیں مگر ساتھ ہی دوسروں کی غیبت کرتے ہیں، آپس میں نفاق و عداوت پھیلاتے ہیں، عمرو کے عیوب زید سے اور زید کی برائیاں عمرو سے بیان کرتے ہیں جس سے باہمی منافرت، فساد، دلی کدورت، بے اعتمادی اور بددیانتی لوگوں میں بڑھتی جاتی ہے۔ آج ہم زکوٰۃ و صدقات بھی دیتے ہیں مگر کیسے لوگوں کو؟ جنہوں نے بھیک مانگنا پیشہ بنا رکھا ہے، اور جن کو ہاتھ پھیلانے میں عار نہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ صحیح حق داروں اور حاجت مندوں کو زکوٰۃ و صدقات ملتے ہوں۔ ہماری کوششیں کمتر اس خیال میں صرف ہوتی ہیں کہ آپس میں برادرانہ محبت اور خلوص بڑھے، اور دوسروں کی بھلائی کریں، بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ہماری تمام تر کوششیں محض نفسانی اغراض کے لئے اور صرف اس لئے صرف ہوتی ہیں کہ آپس کا عناد اور آپس کی دشمنی قائم رہے اور اپنا کام بناتے رہیں۔ روزے، نماز کے ساتھ اگر ہم حقوق العباد کی پرواہ نہ کریں، چور بازاری، اسمگلنگ کو اپنا شیوہ بنا لیں تو کیونکر اسلامی برکات کی اُمید کی جاسکتی ہے؟

فطری طور پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آج یہ فرائضِ خمسہ وہی اثرات کیوں پیدا نہیں کرتے، جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین میں پیدا کر چکے ہیں۔ نیز یہ اصولِ خمسہ کیوں وہی اخوّت، وہی الفت و محبت اور وہی ولولہ و جوش آج ہم میں پیدا نہیں کرتے جن کو یہ صحابہؓ کرام اور ان کے تابعین میں پیدا کر چکے ہیں، ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے ہمیں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ہمارا ایمان ان چودہ صدیوں میں مختلف ادوار و حالات سے گزرتا ہوا بہت سے دیرینہ رسم و رواج سے ٹکراتا

ہوا، بہت سے معاندانہ خیالات و اعتقادات سے اُلجھتا ہوا، انتہائی باغیانہ، سفاکانہ اور انقلابی تخیلات و مظاہر سے مزاحمت کرتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ ہر طرح کے موسم اس پر گزرے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عرصۂ دراز میں وہ خالص اسلام جو چودہ سو برس پیشتر عرب کی سرزمین میں پھیلا، ہم تک پہنچتے پہنچتے اس کے ساتھ بہت سے ایسے عقیدے چمٹ گئے جن کو اسلام سے دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ پھر بھی وہ اسلام کا جزو لاینفک بنے ہوئے ہیں۔ ایرانی جب دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو انھوں نے اپنے دیرینہ اعتقادات کے بعض ٹکڑوں کو اسلام میں داخل سمجھا اور اس طرح ایرانی تہذیب کے عناصر داخل ہو گئے، رومی جب مسلمان ہوئے تو اپنے ان رسم و رواج کو جو بظاہر اسلام کے مخالف نہ تھے اسلام لانے کے بعد بھی برتتے رہے اور اس طرح وہ معتقدات یا رومی کلچر کے عناصر بھی داخلِ اسلام بن گئے۔ اسی طرح ہندوستان میں ہندو کلچر کے بعض عناصر تصوف کے بعض طریقوں میں ضم ہو گئے۔ غرض مختلف مذاق کے لوگ مختلف طریقوں سے اسلام پیش کرنے لگے، طرفہ یہ کہ آج ہر ایک اس بات کا مدعی ہے کہ وہی اصل اسلام کا صحیح مبلغ اور تنہا دینِ مبین کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

سعادت و فلاحِ دارین کے حصول کا طریقہ بنا بریں سارے مصلحین ہر زمانے میں اپنے اصلاحی کام کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری سمجھتے رہے کہ عوام کو قرآن اور پیغمبرؐ کی تعلیمات کی طرف مائل کریں۔ اور ان سارے رسوم و عقائد کو دور کریں جو اسلام کے مخالف ہیں۔ اسلام خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمان برداری کا نام ہے، قرآن پاک بار بار اللہ، رسولؐ اور کتاب اللہ کی فرمان برداری پر زور دیتا ہے۔ بلکہ اطاعت کو فرض قرار دیتا ہے، کیونکہ قرآن پاک میں جہاں کہیں امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور اس کے بعد حرف شرط استعمال کیا گیا ہے تو وجوب کا اظہار مقصود ہے:

۱۔ قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله، ويغفر لكم ذنوبكم، والله غفور رحيم (آل عمران، رکوع ۴)	"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے: اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو تم میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا، اور وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"
۲۔ يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم فإن تنازعتم	"اے ایمان والو! اللہ اور رسولؐ اور ارباب حکم کی فرمان برداری کرو، پس اگر کسی چیز کے بارے میں تم میں تنازعہ

فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان	ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف رد کرد، اگر تم
کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک	اللہ اور آخری دن یعنی قیامت پر ایمان رکھتے ہو،
خیر واحسن تاویلاہ (النساء رکوع ۸)	یہی بہتر اور انجام کے لحاظ سے حسین تر ہے۔"
۳۔ واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین۔	"اور تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر
(الانفال رکوع ۱)	تم ایمان والے ہو۔"

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اسلام اللہ کی اطاعت و فرمان برداری کا حکم دیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ان آیات میں عین رسولؐ کی اطاعت قرار دی گئی ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے، کیونکہ قرآن کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، پھر قرآنی احکام کو عمل کر کے بتایا کرتے تھے۔ بنا بریں ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ رسولؐ کے اعمال، اقوال اور افعال کو اپنے پیشِ نظر رکھے۔ یہ پیغمبری افعال و اقوال نسلاً بعد نسلٍ ہم لوگوں تک اسی طرح پہنچے جس طرح خود قرآن پاک ہمارے ہاتھوں تک پہنچا ہے۔ وضو کے طریقے، نماز، روزے کے طریقے، حج اور دوسرے احکام سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے اور عمل کئے ہوئے طریقے ہیں جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ہمارے اسلاف کے ذریعے ہم لوگوں تک پہنچے ہیں۔ انہیں لوگوں کے ہاتھوں قرآن پاک بھی منتقل ہوتا ہوا اس زمانے تک آیا ہے۔ البتہ ہم بعض ایسی حدیثوں کو شک کی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں جو نصِ قرآنی یا صحیح احادیث کے خلاف ہوں۔ احادیث کے جمع کرنے والوں نے پوری کد و کاوش کی ہے کہ اپنے اپنے احادیث کے مجموعوں کو موضوع احادیث سے پاک رکھیں۔ محدثین نے احادیثِ صحیحہ کی چھان بین میں ہر ممکن کوشش کی ہے، اور آج احادیث کے متعلق جو کچھ کلام کیا جاتا ہے انہیں کے بیان کردہ نقد و تبصرے کے بل بوتے پر کیا جاتا ہے۔ احادیث کی جانچ پڑتال کے لئے خود محدثین نے نئے نئے علوم ایجاد کئے کہ اپنا دامن موضوع احادیث سے بچائے رکھیں، اسماء الرجال، اصول حدیث، نقد الحدیث، نقد الرجال وغیرہ وغیرہ کی ایجاد کا سہرا انہی محدثین کے سر ہے۔ دنیائے تاریخ میں ان علوم کی مثال کی جستجو کرنا عبث ہے۔ ان علوم کی وجہ سے علم تاریخ کی بڑی ترقی ہوئی اور عرب مؤرخین تاریخ میں بھی راویوں کی جانچ پڑتال کرنے لگے۔ غرض ان محدثین نے اتنا کارنامہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے جس کی بدولت ہم بڑی آسانی سے صحیح اور موضوع احادیث میں امتیاز کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔

یہ بیان کیا جا چکا کہ اسلام نے "اطاعت" کو فرض قرار دیا ہے۔ آیئے، اطاعت کے مفہوم پر غور کریں۔

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ حکم کی موافقت کو اطاعت کہتے ہیں۔ اور سورۂ نساء کی آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے ساتھ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر کی شرط موجود ہے، جس سے اللہ اور رسول کی اطاعت کی فرضیت ظاہر ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ قرآن اور سنت کی اطاعت فرض ہے۔ جتنی آیتیں پیش کی گئی ہیں سب میں یہی حکم ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو، اس حکم میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ ان آیات میں سے سورۂ نساء کی آیت پر مزید تبصرہ مناسب معلوم ہوتا ہے:۔

(ترجمہ) "اے ایمان دارو! اللہ کی اطاعت کرو، اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہیں، اگر کسی چیز کے بارے میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اس کو اللہ اور رسولؐ کی طرف رد کرو، اگر تم اللہ اور آخری دن پر اعتقاد رکھتے ہو، یہ (یعنی اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹانا) بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے حسین تر ہے۔"

اس آیت پاک میں اللہ کی اطاعت اور رسولؐ کی اطاعت کے سوا "اولی الامر منکم" کی اطاعت کا حکم بھی صادر ہوا ہے، اس حکم سے کم از کم اتنا ظاہر ہے کہ یہ "اولی الامر" معاملہ فہم اور خلوص و دیانت والے ہیں، ورنہ ان کی اطاعت کا حکم صادر نہ ہوتا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ "اولی الامر" جو معاملہ فہم ہیں کون لوگ ہیں؟ — ظاہر ہے کہ اس سے ایک فرد مراد نہیں۔ اس لئے لامحالہ "اولی الامر" سے مراد ہم ایمان دار اور دیانت دار اربابِ حل وعقد کو لے سکتے ہیں، جو اُمت کی خیر و بہبود کا خیال رکھتے ہیں اور ان کے امور کو انجام دیتے ہیں، ایسے ارباب حل وعقد کا آپس میں کسی امر میں متفق ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اس اصطلاح "اولی الامر" سے اجماعِ اُمت مراد ہے، آیت کا بقیہ حصہ "فان تنازعتم فی شیئی فردوہ الی اللہ والرسول" اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن و حدیث سے کوئی حکم مستفاد نہ ہو، تو اس مسئلہ کے مشابہ کسی ایسے مسئلہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جس کا حکم قرآن یا حدیث میں موجود ہو، یا اجماعِ اُمت سے اس کا حکم ملتا ہو، اور اسی کو قیاس (ANALOGY) کہتے ہیں، غرض اس آیت پاک سے اصولِ فقہ کے ادلّہ اربعہ کتاب، سنت، اجماع، قیاس مستنبط ہیں۔ نیز آیت کی ترتیب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان چاروں اصولوں کو اسی ترتیب کے مطابق رکھنا ضروری ہے۔ غرض قیاس و اجماع کو قرآن و سنت پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ نیز فان تنازعتم فی شیئی فردوہ الی اللہ والرسول اس بات کی شاہد ہے کہ قیاس اسی وقت عمل میں لایا جائے جب کہ

کتاب، سنّت اور اجماع سے مسئلہ کے حکم پر روشنی نہ پڑتی ہو، اس ترتیب کی مزید توثیق حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث سے ہو جاتی ہے، جب ارشادِ نبویؐ کے مطابق آپ یمن کی قضا پر جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ امتحان پوچھا:

"جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا: اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا۔ ارشاد ہوا: اگر کتاب اللہ میں موجود نہ ہو تو کیا کرو گے؟ عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضورؐ نے دوبارہ ارشاد کیا، اگر کوئی حکم سنّتِ رسولؐ میں بھی موجود نہ ہو تو، آپؓ نے جواب دیا: "میں اپنی رائے قائم کرنے کی کوشش کروں گا، اور اس میں کوتاہی نہ کروں گا۔"

غرض حضرت معاذؓ نے قیاس کو آخری درجہ دیا، اور حضرت سرورِ کائناتؐ نے تقریر و تثبیت کی اور انکار نہ کیا۔ ابلیس کے لعنتی ہونے کی وجہ درحقیقت یہی تھی کہ اس نے نصِ قرآنی کے مقابل میں قیاس کو ترجیح دی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حکم خداوندی ہوا: اسجدوا لآدم (اے فرشتو! آدم کو سجدہ کرو)۔ چونکہ ابلیس ملائکہ کے ساتھ رہتا تھا، اور ان کا معلم بنا ہوا تھا، ملائکہ میں داخل تھا، لیکن اس نے اپنی عقل سے خود کو ملائکہ سے خارج قرار دیا اور دلیل یہ پیش کی: خلقتنی من نار وخلقتہ من طین، (تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے)، اور فرشتوں کے ساتھ اس نے آدم کو سجدہ نہ کیا، انکار کیا اور بڑائی چاہی، اس لئے راندۂ درگاہ ہوا۔

قرآن پاک کے بعد حدیث کا مرتبہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اذا روی عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فان وافقہ فاقبلوہ والا فذردہ۔	جب کوئی حدیث میری نسبت سے بیان کی جائے تو اس کا مقابلہ کتاب اللہ سے کرو، اگر قرآن کے حکم کے مطابق ہو تو قبول کرو، ورنہ اُسے چھوڑ دو۔

حدیث کے بعد اجماع اور پھر قیاس کی باری ہے، دوسری دلیلیں مثلاً استصلاح اور استحسان جو بیان کی جاتی ہیں وہ درحقیقت قیاس ہی کے فروع ہیں، اور اس لئے کوئی پانچویں دلیل یا رہنمائی کرنے والی شئے نہیں ہو سکتی۔ یہ بات خود آیت مذکورہ سے ثابت ہے، اس لئے کہ صورتیں دو ہی بیان کی گئی ہیں، ایک وہ جس کے بارے میں حکم مذکور ہے، جو قرآن و حدیث پر مشتمل ہے، اور دوسری وہ صورت جس کے متعلق کوئی حکم بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اس صورت کے بارے میں یا اجماع کا ظہور ہو گا یا انفرادی قیاس کا۔ قرآنی آیت میں کسی

پانچویں چیز کی طرف اشارہ نہیں ملتا۔

اطاعتِ خدا اور رسولؐ کی برکتوں کا ذکر خود اللہ جل شانہٗ نے کیا ہے، فرماتا ہے:۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْکُرُوا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا ج وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْہَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَہْتَدُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۰۳)

"اور اللہ کی رسی کو تم سب مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو، اور اللہ نے جو نعمتیں تم کو عنایت کی ہیں ان کو یاد کرو، کیونکہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے اُلفت کے رشتے سے جوڑ دیا اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ (دوزخ) کے گڑھے کے کنارے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس آگ سے نجات بخشی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتوں کو ظاہر کر دیتا ہے تاکہ تم لوگ ہدایت حاصل کرو۔"

اس آیت پاک میں "اللہ کی رسی" سے مطلب "اللہ کا معاھدۃ" ہے، جس کے معنے ایمان اور اطاعت کی فرضیت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اطاعت نہ کرنے کے بُرے نتائج کو خود قرآن پاک نے جابجا بیان کیا ہے۔ میں صرف ایک آیت پر اکتفا کرتا ہوں:

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاہِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (مائدہ: رکوع ۸)

"اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم تمہاری جگہ پیدا کرے گا جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور جو اللہ کو دوست رکھتی ہے، جو قوم ایمان والوں کے آگے تو مسکین و ذلیل بن جاتی ہے مگر کافروں کے مقابل سخت ہے، جو قوم اللہ کے رستے میں ہر طرح کے جہاد سے کام لیتی ہے، اور کسی مذمت کرنے والے کی مذمت کی پروا نہیں کرتی۔ یہ اللہ بزرگ و برتر کا فضل ہے جس کو وہ جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کیونکر اللہ، رسولؐ اور رہنماؤں کی اطاعت کر سکتی

ہے: جب تک سارے مسلمان ایک خاندان میں منضم و منسلک نہ کرلئے جائیں ہرگز ہرگز ایک اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت اسی وقت ممکن ہے جب کہ اسلامی حکومت اسلامی احکام جاری کرے۔ جب ہم ان آیات پر غور کرتے ہیں جن میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم ہے تو دیکھتے ہیں کہ یہ آیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد نازل ہوئیں۔ یعنی یہ اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد کی آیتیں ہیں۔ اس سے پیشتر کی آیتوں میں نماز اور ایمان و عملِ صالح پر زور دیا گیا ہے۔ جس کے معنے یہ ہوئے کہ اسلام میں نماز اور عمل صالح ایسے عناصر ہیں جو اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالنے کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں۔ ایک خدا پر ایمان رکھنا آپس کی برابری اور اتحاد پیدا کرتا ہے، نماز دل کی صفائی اور خصائلِ حمیدہ کی خواہش، آپس کی ہمدردی، ایمان داری اور اچھے اخلاق کی بالیدگی عطا کرتی ہے۔ مگر ان چیزوں کے حصول سے ایمان کی پختگی نہیں سمجھی جا سکتی۔ ایمان کی پختگی اور اس کی طاقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان عوام کا دینی شعور بیدار کریں۔ ان میں حق و باطل اور حلال و حرام کے پہچاننے کی قوت نیز حق کو قائم کرنے اور باطل کو مٹانے کا شدید احساس پیدا کریں تاکہ ایک صحیح انتخاب کے ذریعے صالح امیر اوپر آئے اور اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے والی حکومت قائم ہو جس میں شریعت کے احکام کا نفاذ ہو۔ یہاں پہ ہم ان ایمان داروں کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرتے ہیں جو مجبوریوں کی وجہ سے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہ کر سکے۔ یہ ایمان دار ضعیف الایمان قرار دیئے گئے، کیونکہ ان کو یہ خوف ہر وقت دامن گیر تھا کہ کفار ان پر غلبہ کر کے ایمان سے مرتد بنالیں گے۔ یہ خوف بالکل فطری خوف تھا۔ تقسیم کے بعد ہندوستان میں کیا پیش آیا؟ سینکڑوں مسلمان کس مپرسی اور بیچارگی کے عالم میں ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور مرتد بنائے گئے، اس لئے مدینہ کے صحابہؓ نے مکہ کے باقی ماندہ مسلمانوں کو لکھا کہ جیسے ممکن ہو تم لوگ ہم لوگوں سے آملو۔ چنانچہ یہ چند مسلمان اپنی اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لئے مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مشرکینِ مکہ کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے تعاقب کیا۔ مگر یہ چند مسلمان جان کی بازی لگا کر چلے تھے، لڑے، بعض تو بہتوں کو مار کر مر گئے اور کچھ بچ کر مدینہ جا پہنچے۔ غرض ان مسلمانوں نے اپنے ایمان کے تحفظ کی خاطر یہ ضروری سمجھا کہ اپنی حکومت یعنی مدینہ میں پہنچ جائیں۔

خدا کی اطاعت خود اس بات کی مقتضی ہے کہ ہماری اپنی مملکت ہو جس میں ہم ان سارے احکام

کو نافذ کرسکیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ آج ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام صرف عبادت کے چند طریقوں کا نام ہے، یعنی صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور حج کا۔ ہماری توجہ نواہی یعنی محرمات کی طرف بالکل نہیں جاتی، خود اوامر پہ بھی ہمارا پورا عمل نہیں۔ گزشتہ چند صدیوں سے حدود، قصاص، جہاد کے احکام کی طرف ہمارے علماء نے یہ کہہ کر نظر نہ اُٹھائی کہ اجنبی حکومت میں ان کے مطابق عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن اب جب کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے، اور پاکستان کا قیام مذہب اسلام کی بنا پر ہوا ہے، تو قوم اور حکومت کا فرض ہے کہ پوری طرح انگریزی قانون بدل کر اسلامی قانون نافذ کرے۔ آج حکام کی کوشش یہی ہے کہ پاکستان کے قوانین ان اسلامی اصولوں کے ماتحت بنائیں جو قرآن و سنت کے مطابق ہوں۔

الحمدللہ پاکستان کے عوام کی اسلام سے گہری محبت نے یہاں کے خواص پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ ملک میں اسلام کے خلاف کسی اقدام کو مقبولیت حاصل نہ ہو سکے گی، اب موجودہ حکمران طبقہ کو احساس ہو چکا ہے کہ ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اور قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کریں اور مغرب کی طرف رہنمائی کے لئے اپنی نظریں نہ اُٹھائیں۔ ہم بے شک مغرب کی طرف جدید مفید علوم و فنون کی تحصیل کے لئے متوجہ ہو سکتے ہیں کہ یہ عین قرآن و سنت کی تعلیم کے مطابق ہے۔ لیکن مفید علوم و فنون اپناتے وقت ہمیں پوری احتیاط سے کام لینا ہوگا تاکہ ان کی الحاد پہ مبنی تہذیب ہمارے اندر داخل نہ ہو سکے۔ ہمیں مغربی ثقافت کے ان جراثیم سے بچنا ہوگا جن کے باعث ان کی تہذیب ہلاکت کے کنارے کی طرف بڑھ رہی ہے۔

اس وقت امتِ مسلمہ جس دَور سے گزر رہی ہے اس میں صرف کلمہ شہادت کے بار بار دُہرانے یا زبانی دعائیں مانگنے سے ترقی کی رُوح پھونکی نہیں جا سکتی، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری گزشتہ عظمت ہمیں واپس مل جائے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنے اعمال میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کریں۔ اللہ کے سارے اوامر و نواہی پر کاربند ہیں کہ صرف اسی طریقے سے ہم اپنے ایمان کی جلا میں اضافہ کر سکتے ہیں، اور صدیوں کے زنگ اور میل و کثافت کو دور کر سکتے ہیں۔ اور پھر یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ ہم امنِ لازوال، سعادتِ ابدی اور فلاحِ دارین حاصل کر سکتے ہیں۔